© rasailojaraid.com

"میرا خیال تو یہی ہے کہ عمر میں اگر کچھ مہلت بخشی گئی اور حیدرآباد کی ملازمت جس کی کشتی عنقریب ساحل پر پہنچنے والی ہے اس سے فراغت عطا ہو گئی تو زندگی کے باقی اوقات کو چاہتا ہوں کہ "تعلیمی ثنویت" کے بت کو توڑنے اور تعلیمی توحید کو قائم کرنے پر صرف کر دوں، یہی کتاب اس مسئلہ میں مقدمہ کا کام انشاء اللہ دیگی۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کو شائع کر کے آپ کے ادارہ نے صرف یہی کام انجام نہیں دیا کہ ایک کتاب اس نے شائع کر دی ہے بلکہ ایک عظیم اقدام کی طرف آپ نے قدم اٹھایا ہے۔ کاش آپ اور مولانا سعید احمد صاحب جیسے نوجوانوں کی ہمرکابی اس مسئلہ میں مجھے میسر آئے"۔

مولانا کے اس خط سے صاف واضح ہے کہ کتاب وقت کی کس درجہ اہم اور ضروری مہم کو سر کرنے کی نیت سے لکھی گئی ہے یہ کتاب اس مہم میں نشانِ راہ کا کام دیگی۔ اور جو حضرات قدیم وجدید کے ملاپ کو اب تک تردد و شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے امید ہے ان کے خیالات کی بہت کچھ اصلاح ہو سکیگی۔

لاہور کے انگریزی اخبار ٹریبیون مورخہ ۲۸ مئی سے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ حکومتِ پنجاب نے ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ لکچرار پنجاب یونیورسٹی کو ان کی تصنیف "فارسی ادبیات میں ہندوؤں کا حصہ" کے صلہ میں ایک ہزار کا انعام دیا ہے

اگرچہ ڈاکٹر صاحب کی علمی اور تحقیقی جد و جہد کے مقابلہ میں انعام کی یہ رقم کوئی بڑا وزن نہیں رکھتی۔ تاہم حکومتِ پنجاب نے ایک اردو کتاب کی قدردانی کر کے دوسرے صوبوں کی نمائندہ حکومتوں کے لئے ایک نمونۂ عمل پیش کیا ہے کہ ہر صوبہ کی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اردو زبان میں علوم و فنون کی اشاعت اور اس کے ادب کی ترقی و ترویج کے لئے سال بھر کی بہترین کتاب پر انعام دیکر مصنف کی حوصلہ افزائی کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظریۂ موت اور قرآن

از مولانا سید ابو النظر رضوی

(۴)

میں اپنی معروضات کے سلسلہ میں ایک غلط فہمی کو دور کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ بصورتِ دیگر مجھے اندیشہ ہے کہ میری ساری محنت بیکار نہ ہو جائے۔

برزخی مناظر نہ دیکھ سکنے کے متعلق جو دلائل ہیں نے پیش کئے ہیں ان کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان مناظر کو دیکھ سکنے کا کوئی امکان ہی نہیں رہا۔ اگر ایک معمولی شخص سچے خواب کے ذریعہ مستقبل اور عالمِ مثال کی صورتیں دیکھ سکتا اور ایک روحانی انسان بیداری کے ہی عالم میں مراقبہ کرتے ہوئے دیکھ سکتا ہے تو عالمِ مثال کے بعض مناظر ایک مرنے والے کو نظر نہ آسکنے کی کیا وجہ؟ جس طرح اتفاقی طور پر مستقبل کا حال بیداری یا خواب میں ہر شخص کے علم میں آسکتا ہے ایسے ہی بعض اتفاقات کا نتیجہ برزخی مناظر کا سامنے آجانا بھی ممکن ہے۔ لیکن چونکہ مستثنیات، امکانات اور اتفاقات کسی مستقل حقیقت کی ترجمانی نہیں کر سکتے اس لئے میں نے ان کا اعتبار کر سکنے سے انکار کر دیا۔ ورنہ مجھے اس حد تک تسلیم کرنے میں کوئی انکار نہیں کہ برزخی مناظر کے دیکھ سکنے کے امکانات ہیں۔ اور جو روحانی حضرات لطافتِ روحی سے بہرہ اندوز ہوں ان کے سامنے تو ضرور برزخی مناظر آہی جایا کرتے ہوں گے۔

قانونِ مرگ اور استعدادِ مرگ پر بحث و گفتگو کرتے ہوئے اگر اس مذہبی شبہ پر کوئی روشنی نہ ڈالی جائیگی کہ قرآن نے یہ کیوں دعویٰ کیا کہ دنیا کی اجتماعی قوت بھی لمحاتِ مرگ میں دیر و زود کے امکانات نہیں پیدا کر سکتی جبکہ مرگ و زیست بعض استعدادات کے وجود و عدم سے وابستہ تھی تو میں سمجھتا ہوں کہ مذہبی ذہنیت رکھنے والے اکثر اصحاب میرا نظریہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے خواہ ایک طبقہ اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درخورِ اعتنا ہی کیوں قرار نہ دے۔

اس لئے سب سے پہلے اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ موت کے اوقات میں تقدیم و تاخیر نہ ہوسکنے سے قرآن کا کیا مطلب ہے؟ جہانتک میں سمجھ سکا ہوں تقدیم و تاخیر سے انکار کے دو پہلو ہوسکتے ہیں۔ یا تو علمِ الٰہی کے تحت ایسا فرمایا گیا۔ یعنی خدا کے علم و اطلاع میں موت کا جو وقت مقرر ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ یا یہ کہ جب خدا کا حکم کسی کی موت کے لئے صادر ہوجائے تو کوئی طاقت اس حکم کو واپس نہیں کرسکتی۔ اگر علمِ الٰہی کو تقدیم و تاخیر نہ ہوسکنے کا سبب قرار دیا جائے تو چونکہ بعض علماء اور محققین کے علی الرغم علمِ الٰہی کا نام تقدیر اور اندازۂ موت نہیں اور نہ کسی چیز کا محض علم کوئی مستقل طاقت ہوسکتا ہے۔ جس میں نفوذ کی استعداد نہ ہو۔ اس لئے وہ کسی ہستی کے لئے لمحاتِ مرگ کا عملی اور خارجی تعین نہیں کرسکتا اور جو حقیقت حدودِ حیات کا عملی دنیا میں تعین نہ کرسکے وہ تقدیم و تاخیر کے امکانات میں رکاوٹ بھی نہیں ہوسکتی۔ ہاں حکم اور قضائے الٰہی کا نفاذ ضرور ایسی چیز ہے کہ اس کا کوئی طاقت مقابلہ نہیں کرسکتی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ قضائے الٰہی کس قانونِ الٰہی کے تابع ہوتی ہے۔ یا ضوابط کی پابندیوں سے آزاد۔ ایک انسان آمرانہ طاقت اور ڈکٹیٹر شپ حاصل کرنے پر یقیناً قوانینِ اجتماعی کی گرفت سے باہر آکر بھی اپنی شہنشاہیت اور اقتدار کا اندازہ کراسکتا ہے کیونکہ وہ قوانین اس کی انفرادی روح کے زائیدہ نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں مروجہ قوانین کی کمزوریوں سے بھی نجات پاسکنے کا راستہ یہی ہوسکتا ہے۔ لیکن کیا خدا کو بھی اپنی انفرادیت، اپنی ربوبیت اور اپنی الوہیت کا مظاہرہ کرسکنے کے لئے خود ساختہ قوانین شکست ہی کرنا پڑیں گے؟ کیا خدا کے ساختہ قوانین اتنے محدود دوائر اتنی تنگ دامانی اور اتنا اضمحلال رکھتے ہیں کہ کبریائی سطوت و جبروت کی نمائش نہ کرسکیں۔

کیا انسان کی قانون سازی اور خدا کی قانون سازی میں کوئی امتیاز و تفاوت نہیں پایا جاتا انسان کے ذہنی، نفسیاتی اور تمدنی ارتقا کی مناسبت سے قانونِ حیات میں جسے شریعت کہتے ہیں تغیرات کرنا تو قرینِ قیاس ہوسکتا ہے لیکن کلی، اجتماعی اور ابدی قوانینِ حیات میں جن کے سیلاب کی وادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعین کئے بغیر تخلیق وارتقائے کائنات کا آغاز ہی نہ کیا جا سکتا تھا۔ کیونکر گوناگونیوں کو قبول کرسکتے ہیں۔

قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس کے نظامِ حیات میں بار بار مطالعہ کرنے کے باوجود کوئی تفاوت کوئی تغیر اور کوئی فرق محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ ہر ستارہ کی رفتار، ہر برق پارہ کی گردش، ہر شعاع کے اثرات ہر انجماد کی ڈگریاں، ہر پھول کی خوشبو، ہر پھل کا مزہ، ہر اخلاقی اور معاشی ماحول کے مطابق تمدنی نظامات کے نتائج۔ غرضکہ کسی اعتبار سے کائنات کے کسی گوشہ میں تفاوت کی کمزوریاں نہیں تلاش کی جاسکتیں لہذا یہ کیسے ممکن تھا کہ مرگ وزیست کا قانون جس کے بغیر ربوبیت و پروردگاری کے مظاہر ہی نمایاں نہ ہوسکتے تھے تیار نہ کرلیا گیا ہوتا۔ یقیناً موت وحیات کا ایک ضابطہ ہے، ایک قانون ہے، ایک پروگرام ہے، جب تک اس کے مطابق کسی ذرہ اور سالمہ میں استعدادِ زیست یا استعدادِ مرگ نہ پیدا ہو نہ کوئی زندہ ہوسکتا ہے نہ مرسکتا ہے۔

مجدد علم وحکمت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب طاب اللہ ثراہ نے فلسفۂ استعداد پر اپنی تصنیفات میں سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور سچ یہ ہے کہ پوری تاریخ اسلام میں بعض دوسرے دقیق علوم کے ساتھ فلسفۂ استعداد کو ان سے بہتر تو کیا مجھے کہنے دیجئے کہ ان کے برابر سمجھنے والا بھی دوسرا نہیں پیدا ہوسکا علماء اسلام عام طور پر اس فلسفہ کی گہرائیوں، نزاکتوں اور علمی وعملی نتائج سے آشنا نہیں اور اس ہی بنیاد پر وہ بہت سی مذہبی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی گتھیاں سلجھانے میں ناکام ہیں " عذابِ الٰہی اور قوانین فطرت" کے عنوان سے جو میرا مضمون شائع ہوچکا ہے اور جس پر ایک مولوی صاحب نے تنقید بھی فرمائی ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے اس موضوع پر بھی روشنی ڈالوں گا۔ افسوس ہے کہ تا ہنوز وہ تشنہ تکمیل ہے: عرفت ربی بفسخ العزائمہ۔

بہرحال حقیقت یہ ہے کہ اس کائناتِ ہست وبود میں جو کچھ ہوتا ہے۔ انفرادی زندگی میں بھی اور اجتماعی زندگی میں بھی۔ وہ مخصوص استعدادات کے وجود وعدم ہی کا نتیجہ ہے جب تک مرگ وزیست کے کسی پہلو کی استعداد نہ پیدا ہوگئی ہو ہرگز خدا کا حکم نہیں نافذ ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یہ استعداد جغرافیائی[1] حالات، نفسیاتی اور ذہنی کیفیات، نسلی اور قومی خصوصیات، تمدنی، عمرانی اور طبی ترقیات کے تناسب سے ہوا کرتی ہے۔ ایک شخص اگر سانپ کا تریاق پا سکتا ہے تو زہر کے اثرات بد مرتب نہ ہوں گے۔ ورنہ قوتِ مدافعت کی کمزوری ضرور آغوشِ قبر کے سپرد کر کے رہیگی۔ اگر ایک شخص کو

---

[1] جغرافیائی حالات سے مطلب، زمینی ساخت شہری زندگی و آب و ہوا سے ہے۔ اگر کوئی مرنے والا دریا، سمندر، پہاڑ، ریگستان یا گھنے جنگل کے قریب ہوگا تو وہ اس ہی میں ڈوب کر چڑھ کر یا گم ہو کر موت کی تدبیر سوچیگا۔ اگر شہر میں ہوگا تو تدابیرِ علاج کے امکانات ہوں گے ورنہ نہیں۔ اگر آب و ہوا خراب ہوگی خواہ ارضی غبارات کی بنا پر یا فضائی غازات کی وجہ سے تو اس ہی نوع کی بیماریاں اسے موت کے گھاٹ اتاریں گی۔

یا یوں سمجھ لیجیے کہ الموڑہ پہاڑ کے قصبہ موانی ہیں جس کی آب و ہوا بہترین ہے۔ عام طور پر لوگ ان صدہا بیماریوں سے کبھی نہیں مرتے جن سے دنیا آشنا ہے بلکہ وہ نرالے ہی ڈھنگ سے مرتے ہیں۔ سخت سردی سے اعصاب فالج زدہ سے ہوئے اور فوراً ہی لڑکھڑا کر پہاڑ سے نیچے گر کر مر گئے۔ یہ اندازِ مرگ کیوں ہے؟ جغرافیائی ساخت کے نتیجہ میں۔

نفسیاتی اور ذہنی کیفیات سے مقصود خود مرنے یا مارنے والے کی کیفیات ہیں۔ ذہنی اور نفسی ظروف جس سانچہ پر ڈھلے ہوئے ہوں گے، اس ہی انداز سے مرنے یا مارنے کی تدابیر اختیار کرنا پڑیں گی۔ پھانسی، سولی، تلوار، زہر، چاقو، وغیرہ کا انتخاب ان ہی کیفیات کی نسبت سے ہوگا۔ اگرچہ بعض اوقات ماحولی مجبوریاں بھی انتخاب کا راستہ صاف کر دیتی ہیں۔ نسلی اور قومی خصوصیات سے مراد وہ تصورات ہیں جو وراثت سے آئے ہوں۔ بعض خاندان سنکھیا کھا کر ہی جان دینا پسند کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی ایک ایسا خاندان ہے۔ قومی خصوصیات میں عربِ اول اور دوسری غیر متمدن مگر بہادر قوموں کو پیش کیا جا سکتا ہے جو مار کر ہی مرنا پسند کرتے ہیں یا جہاد اور قومی جنگ ہیں۔ یا ہمارے زمانہ کے صوفیا کو لے لیجیے جو میدانِ جنگ میں مرنے کے بالمقابل بسترِ نزع کی ہچکیاں لینا چاہتے ہیں۔ اور ولولہ جہاد کو خونریزی سمجھتے ہیں۔ تمدنی اور عمرانی ترقیات سے مراد وہ معاشرتی اور اخلاقی اور سائنٹفک ترقیات اور سہولتیں ہیں جو ایک متمدن قوم کو غلام اور پست قوم کے مقابلہ پر حاصل ہوتی ہیں اور جن کی بدولت مریض موت کے چنگل سے بچ سکتا اور طبعی عمر کی درازی تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر موت میں تقدیم و تاخیر نہ ہو سکنے کا مطلب طبعی عمر میں اضافہ نہ کر سکنا لے لیا جائے تو بحث کوتاہ ہو سکتی ہے لیکن چونکہ اسلام نے اس نظریہ سے جہاد میں بھی کام لیا ہے اس بنا پر غیر طبعی مؤثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے گذرنا ممکن نہیں۔

ممکن ہے بعض حضرات غیر طبعی مؤثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے دعوتِ جہاد کی تعلیم کے بارے میں قرآن کا نظریہ سمجھنے میں غلطی کریں اس لئے یہ عرض کر دینا ضروری ہوگا کہ قرآن کا منشا ہرگز یہ نہیں کہ غیر طبعی مؤثرات سے گریز طبعی موت سے قریب تر نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔ قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم (باقی ۴۹ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کلوروفارم یا نشۂ خواب طاری کرنے والا انجکشن دیا جا سکتا ہو تو سخت آپریشن سے بھی وہ تندرست ہو سکتا ہے ورنہ بہت ممکن ہے کہ صرف آپریشن کی تکلیف ہی سے مرجائے۔

بہرکیف اگر حالات کا تقاضا کسی کے لئے استعدادِ مرگ ہی فراہم کر رہا ہو تو ضرور موت کا حکم نامہ اس کے نام جاری ہو جائے گا۔ خواہ موت کا حکم نافذ ہونے تک مثلاً ہیضہ کی سمیت نے اس کو نا قابلِ حیات نہ بنایا ہو۔ استعدادِ مرگ پیدا ہو جانے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ جب تک زہر پوری طرح اثر نہ کر چکے اس وقت تک استعدادِ مرگ کو مریض سے نسبت دینا جائز ہی نہ ہو۔ زہر کا پورا اثر ہونے سے پیشتر بھی نفاذِ حکم ہو سکتا ہے۔ بلکہ مرض میں گرفتار ہونے سے بھی کہیں پہلے کیونکہ ان مجبور کن حالات کا پیش آنا مادی اسباب و علل کے تحت ضروری ہو گیا تھا جیسے کہ ماہرینِ سیاست، اقوام و ملل کی

(حاشیہ بقیہ ص ۴۰۸) من الموت او القتل واذا لا تمتعون الا قلیلاً" کہدیجئے کہ اگر موت یا جہاد میں قتل ہو جانے سے گریز کروگے تو تمہیں اس کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوگا کہ چند روز اور اس زندگی سے لذت اندوز ہو سکو۔ یعنی غیر طبعی موثرات سے گریز علمی تجربات کے مطابق چند روزہ زندگی کی لذت تو ضرور تقسیم کر سکتا ہے۔ لیکن اجتماعی زندگی کے اعتبار سے اس طرزِ عمل کو قومی منفعت میں شمار کر سکتے ہیں نہ انفرادی منفعت ہی کے لحاظ سے کوئی خاص اہمیت ہے لہذا موت سے گریز کی کوشش نہ کرو۔

دیکھئے اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ قرآن علمی تجربات کے خلاف کوئی مافوق الفطرت دعویٰ یا مطالبہ نہیں کر رہا بلکہ صرف ایک ایسی علمی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ جس کے نشانات تاریخ کے ہر ورق پر ثبت ہیں۔ "اذا جاء اجلھم" میں بھی جاء کی قید و تخصیص قابلِ غور ہے۔ قرآن اس ہی جگہ جاء استعمال کرتا ہے۔ جہاں ذہنی طور پر نہیں بلکہ عملی انداز میں کوئی چیز سامنے آجائے چنانچہ اذا جاء نصر اللہ و الفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً میں بھی خدا کی اس مدد ہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو فتح سے ہم آغوش ہے اور فتح اعترافِ صداقت سے ہمکنار، جب تک موت کا حکم استعدادِ مرگ کے تحت نافذ نہ ہو جائے غیر طبعی موثراتِ موت کے چنگل سے نکال سکتے ہیں لیکن جب موت کا سیاہ بادل فضا پر چھا جائے اور بھیانک تاریکیاں زندگی کے روشن چہرہ کو ڈھانپ لیں تو کوششوں کا نتیجہ صفر ہی رہیگا۔

یہ تھی وہ علمی حقیقت جو قرآن کی علمی حقیقت سے متصادم نہ ہونے ہوئے اس کی تائید کر رہی تھی اور جسے واضح کر دینا ضروری خیال کیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی رفتار دیکھکر نتائج کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

قیصر جرمنی نے آئندہ جنگ کی جن الفاظ میں پیشین گوئی کی تھی آج لفظ بہ لفظ پوری ہو رہی ہے۔ اگر کسی شہر یا ملک میں ہیضہ کا بہترین انجکشن نہ پہنچ سکتا ہو یا ایسے وقت پہنچے جبکہ قوت مدافعت ہی مضمحل ہو گئی ہو تو ایسے شہر کے مریض باوجود زندہ رہ سکنے کی طاقت رکھنے کے استعداد مرگ کے زخم خوردہ لوگوں میں ہی شمار کئے جائیں گے۔

ابھی ابھی میرے ہی مکان میں ایک ملازم کی نوجوان بیوی کا انتقال ہوا ہے جسے ہم معاشرتی مساوات کے نقطۂ نظر سے "بہوجی" کے باعزت نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ رات کے بارہ بجے دست وقئے شروع ہوئے اور تین گھنٹہ بعد سے جبکہ اس نے نیند سے جگانے کی ہمت کی علاج شروع کیا گیا۔ بظاہر اتنی مایوس کن نہ تھی کہ موت کا یقین کر لیا جاتا مگر اکتالیس گھنٹہ کے اندر زبردست اور مسلسل تگ و دو کے باوجود اس نے داعئ اجل کو لبیک کہدیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ محض اس لئے کہ نہ صرف دیر سے علاج شروع کیا گیا بلکہ ہماری طبی ریسرچ اتنی قوی نہ تھی کہ اس زہر اور دیگر عوارض کا مکمل علاج دریافت کر سکتی جس وقت اس نے میری اہلیہ کو جگایا ہے اس ہی وقت وہ ایک خواب دیکھ رہی تھیں کہ مرحومہ سفر پر جانے والی ہے۔ اس کے شوہر نے دریافت کیا کہ کیا جانے کا ارادہ کر ہی دیا جواب دیا کہ "ہاں" مستقل ارادہ کر دیا ہے۔ جب کپڑے بدلنے کو کہا گیا تو پس وپیش کرنے لگی اتنے میں آنکھ کھل گئی تو دیکھئے جگانے وقت ہی استعدادِ مرگ پیدا ہو چکی تھی۔ حال و مستقبل کی کوششوں کا نتیجہ موت کے سوا کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ تریاقات، تدابیر، جوانی کی قوتِ مدافعت اور مفرحات نے نئے کپڑے بدلنے میں لیت و لعل کا موقع فراہم کر دیا۔ بقول حضرت یوسفؑ کے "قضی الامر" حکم نافذ ہو چکا تھا، تدابیر و علاج سے مجبوریوں کے تحت کامیابی نہ ہو سکتی تھی۔

اس ہی مرحومہ کے سلسلہ میں تقریباً ایک سال پہلے حسب معمول دانت گرتے ہوئے دیکھ چکا تھا اگرچہ تعبیر میں شوہر کے بیمار بھائی کو غلط نشانہ بنایا گیا۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ ایک خواب کے ذریعہ وقت پر موت کے نفاذ کا علم ہو گیا مگر یہ سب کچھ استعداد ہی کے تحت تھا خواہ اس کا تدارک ہماری طاقت و اختیار سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باہر ہی کیوں نہ ہو۔ بصورتِ دیگر اندازۂ استعداد تقدیر اور محکمۂ قضا موت کا حکم ہی نافذ نہ ہوتا۔ لیکن اس چیز کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ احکاماتِ قضا ر کے لئے انسانی قانونِ حیات میں کوئی ایک ہی تمثیلی شکل متعین نہیں۔ ہر ایک شخص کی طبعی استعدادات ماحولی خصوصیات اور ذہنی یا نفسی ارتقا ر کے مطابق تمثیلات میں گوناگونی ہوسکتی ہے، کہیں قرآن کی آیت، کہیں حافظ شیراز کا شعر، کہیں فال بد کہیں بد دعا، کہیں خواب (اپنی تمام نفسیاتی نزاکتوں کے ساتھ) کہیں خواب بیداری، علم نجوم، جفر، فراست الید اور کہیں مراقبہ و مکاشفہ، خلوت خانۂ راز کے دفتری احکامات، ملاء اعلیٰ کی مرضیات اور تقدیر و اندازہ استعداد کے نتائج کی نمائش کر دیتا ہے، اور لوگ اپنے اپنے معاشرتی تصورات اور تمدنی تیرنگ سازیوں کے ہم رنگ تعبیرات کے سایہ میں نتائج کا احساس و علم حاصل کر لیتے ہیں، علم تعبیر رویا اور تاویل الاحادیث کا فن ایک مستقل فن تھا جو نہ صرف روحانی ترقیات بلکہ علمی تحقیقات کے ذریعہ بھی مدوّن کیا جا سکتا تھا لیکن افسوس ہے کہ آج تک اُسے علمی اور فنی اہمیت نہیں دی گئی اور نہ تو سماٹ کا نشانہ بنا دیا گیا ورنہ باطنی شخصیت، روح، عالمِ روحانیت، عالمِ برزخ کے تمثیلی اشکال اور تاریک مستقبل سے باخبر ہونے کی بہت آسان تدبیر نکل آتی۔ مستقبل کا فوٹو کھینچ سکنے کے لئے خواب سے بہتر کوئی نقطۂ شعاعی (فوکس) اور آئینہ نہیں ہوسکتا۔ دیکھئے انسان کی تخیلی طاقتوں سے سائنٹفک ریسرچ کے ذریعہ کب تک کام لیا جا سکیگا۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

برزخ

زندگی کا ارتقار، اس کی گوناگونی اور اس کا ثبات و دوام علمی نظریات نہیں بلکہ علمی حقائق سے استوار ہوتا ہے۔ منطق و فلسفہ نے زندگی کے کون سے گوشہ پر روشنی نہیں ڈالی۔ لیکن کیا آج تک کوئی نظامِ حیات خالص عقلی بنیادوں پر قائم کیا جا سکا۔ اخلاق جیسی چیز بھی جو زندگی کا ایک اہم پہلو تھا جب فلسفۂ اخلاق کی پیچیدہ راہ میں گم ہو جائے تو انسانی زندگی کے عملی نظام سے اس کا کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ فلاسفۂ اخلاق اس ہی لئے مذہب کے مقابلہ پر اخلاقی نظام قائم

© rasailojaraid.com

کرنے میں ناکام رہے۔ دراصل عقل تصویرِ عمل کا پس منظر ہے اور اس ہی حد تک اس کی خوش نمائی اور جاذبیت کا باعث اس کے سوا ہماری زندگی سے اس کا کوئی رشتہ نہیں۔ اس ہی بنا پر قرآن کی تمام تر تعلیم عملی ترجمانیوں سے معمور ہے ۔ وہ علم و فلسفہ اور روحانی مشاہدات کو یکسر غلط اور فریب نہیں بتاتا۔ اپنی جگہ پر اس کی اہمیت کا اعتراف کرتا ہے مگر زندگی کو فکری یا خالص روحانی بنیادوں پر تعمیر کرنے کی دعوت بھی نہیں دیتا۔ آپ کسی عمل کے فلسفہ سے آشنا ہوں یا نہ ہوں۔ عمل اپنے مخصوص نتائج پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا عمل کے سوا کون سی چیز ہو سکتی تھی جو انسان کی زندگی اور اس کے احساسات کو ابھارنے، نکھارنے اور سنوارنے کے کام آسکے۔ آپ دنیائے انسانیت، خصوصًا اس کے اجتماعی پہلو پر جتنا غور کریں گے اتنا ہی اس بات کا یقین قوی تر ہوتا جائے گا کہ انسانی زندگی یکسر عمل ہے۔ عمل ہی پاکیزہ جذبات پیدا کرتا ہے۔ اور پاکیزہ جذبات بھی عمل ہی کی تخلیق کرتے ہیں۔ عمل و تجربہ ہی اس کے احساسات کو بیدار کرتے، حقائق کا یقین دلاتے ہیں اور ان ہی سے عمل در عمل کے لئے کشش پیدا ہوتی ہے۔ اس ہی لئے قرآن جس نظامِ حیات اور جن حقائق کا دعویٰ کرتا ہے اگرچہ وہ فکری اساس پر ہی تیار کئے گئے تھے مگر اس کی الجھنوں، پیچیدگیوں اور تاریکیوں کا کوئی برق پارہ بھی نہیں رکھتے جس طرح ادویہ کے جواہرِ مؤثرہ نکال کر مقدار کو کم اور اثر کو زیادہ کر دیا جاتا ہے ایسے ہی قرآن نے زندگی کے ارتقار پر اثر انداز ہونے اور تجرباتی لائن پر ایمان و یقین دلانے والے حقائق کا خلاصہ اور جوہر نکال کر پیش کر دیا۔ باقی اجزا ان طبائع کے لئے چھوڑ دی گئیں جو پسِ منظر کی تیاری پر ہی عقل و علم کی ہر طاقت صرف کر دینا پسند کرتی تھیں۔

چنانچہ برزخ اور عالمِ برزخ کا معاملہ بھی کچھ اس ہی قسم کا ہے۔ علمار مذاہب روحانیین اور فلاسفہ نے عالمِ مثال یا بالفاظِ دیگر عالمِ برزخ پر بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے اور اسے ایک مستقل عالم ایک جداگانہ کائنات ٹھیرایا ہے ایسا کرنے کے لئے علم و مشاہدہ نے انھیں مجبور کیا تھا۔ فلاسفہ اور صوفیا بھی ماضی و مستقبل کا ایک آئینہ تسلیم کرتے ہیں جس کا نام ان کے ہاں عالمِ مثال[1] ہے۔

---

[1] شاہ صاحب نے حقائق کی تفسیر سے ہی متعدد اہم مسائل مثلاً معراج، شعلہ طور، عالم قبر وغیرہ کو اس خوبی سے سمجھایا ہے کہ روحانی حقائق کا جسمانیت اختیار کر لینا حل ہو سکے۔ ابوالنظر رضوی

© rasailojaraid.com

اور علمار مذاہب بھی موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان ایک عالم وسطی مانتے ہیں جسے برزخ کہہ لیجئے یا پردۂ حیات، دونوں کے بیانات بنیادی پہلوؤں میں بہت کچھ مشابہت رکھتے ہیں، خواہ جزئی تفصیلات میں مشاہدہ کا اختلاف ہی کیوں نہ ہو جو ذہنی اور نفسیاتی لائنوں کے اختلاف کا نتیجہ ہے۔ اس اختلاف سے نجات نہ مادی زندگی کے مشاہدات میں ممکن نہ روحانی مشاہدات میں، اس لئے اس بارے میں تو کچھ شبہ ہی نہیں رہتا کہ عالمِ مثال اور عالمِ برزخ ایک چیز ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن نے اس مستقل عالم کو ایک ایسے برزخ، پردہ اور خلیج سے کیوں تعبیر کیا جو سیلابِ زندگی کی دونوں دھاروں کو الگ الگ بہہ سکنے کا موقع دیتی ہو، حالانکہ احادیثِ نبوی میں عذابِ قبر کے متعلق جو کچھ بتایا گیا ہے۔ صرف وہی برزخ کو ایک مستقل کائنات ثابت کرنے کے لئے کافی تھا اور اس میں بھی شک نہیں کہ ایک عالم اور کائنات میں جتنی خصوصیات اور تنوعات ہونا چاہئیں وہ سب عالمِ برزخ میں موجود ہیں۔

آپ عالم کسے کہتے ہیں جس میں مستقل قوانین کے تحت، وحدت ویگانگت کے ساتھ گوناگونی کے صدہا مناظر ہوں، ہماری مادی کائنات مجموعی حیثیت سے بھی اس ہی لئے ایک عالم ہے اور عالمِ انسانیت عالمِ حیوانات اور عالمِ نباتات بھی اس ہی بنیاد پر عالم کہے جاتے ہیں۔ ہماری صدیوں کے مجددِ علم وحکمت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ آواز اور ذہن وتخیل کا بھی ایک عالم یقین کرتے ہیں۔ عالمِ خیال کی تحقیق تو پہلے بھی ہو چکی تھی اور اسے عالمِ مثال کے نام سے یاد کیا جانے لگا تھا۔ اگرچہ مختلف پہلو تشنۂ تفسیر رہے لیکن آواز کا[1] عالم ثابت کرنے میں غالباً شاہ صاحب سب سے پہلی شخصیت ہیں اور ابھی تک علمائے کرام کی صف میں سب سے آخری شخصیت بھی۔

چنانچہ شاہ اسمٰعیل صاحبؒ باوجود اس کے کہ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے نزدیک شاہ صاحب موصوف کے علمی نظریات سمجھنے کے لئے ایک واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آواز کے

---

[1] وکشف لہ (ادم) عن سعتہ عالم الصوت وانہ لکل جزئی مقدس ومتدنس، موجود ومعدوم فیہ صورۃ۔ کیا ریڈیو اور ٹیلی وژن دونوں کا ثبوت فراہم نہیں ہو رہا اور کیا آج کی جدید ترین تحقیقات بھی اس سے آگے بڑھ سکی ہے۔ ابوالنظر رضوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مستقل عالم کا وجود نہیں محسوس کر سکے حتیٰ کہ انھوں نے طبقات میں آواز کے کسی ایک جگہ جمع ہو سکنے ہی سے انکار کر دیا۔ جس کا ایک معمولی مظاہرہ گراموفون ریکارڈ ہے اور جس کی واقعیت آج ہر شخص کے نزدیک ناقابلِ انکار حد تک پہنچ چکی۔ آواز اور اس کے سائنٹفک حقائق پر اگر غور کیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ شاہ صاحب جس بلندی تک رسائی حاصل کر سکے تھے وہ نہ صرف یہ کہ غلط نہ تھی بلکہ اس کی تفصیلات سے آشنا ہونے کے لئے ہنوز ایک مستقل ریسرچ کی ضرورت ہے۔

کل کون کہہ سکتا تھا کہ آواز کے تموجات مشرق سے مغرب تک پہنچتے اور فضا کی برقی لہروں اور شعاعی ذرات میں ایسے پیوست ہو جاتے ہیں کہ انھیں ہزارہا تموجات کا کوئی تصادم بھی نہیں مٹا سکتا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ جذبات و خیالات بھی اس ہی طرح محفوظ[۱] ہو جاتے ہیں جس طرح کہ فونو گراف میں آواز۔

شاید آپ کو اس چیز پر تعجب آمیز انکار ہو لیکن آپ سوچئے کہ کیا آواز جذبات و خیالات کی ترجمانی نہیں کرتی، کیا انسانوں، چوپایوں اور پرندوں کی آوازیں جذبات و خیالات کا آئینہ نہیں ہوتیں کیا ایک آدمی کے چیخنے، ہنسنے، رونے کے انداز سے جذبات نمایاں نہیں ہوتے، کیا ایک کوے کی

---

[۱] میری خوش قسمتی کی حد ہو گئی کہ اس عبارت کو تلاش کرتے ہوئے جس میں شاہ صاحب نے موجودہ صنعتی دور کے متعلق ملاء اعلیٰ کی مرضیات بتائی تھیں۔ اس دعوے کی شہادت مل گئی شاہ صاحب الخیر الکثیر ۵۶ پر فرماتے ہیں۔ الا تری الی عجائب عالم الصوت فلکل حیوان صوت تخصہ فلاجرم انھا تمثالہ فی ھذا العالم ولکل حالاتہ فرحہ ووجلہ وجوعہ وعطشہ اصوات مخصوصۃ فلاجرم انھا تماثیلھا۔ ثم ان للاوقات اصواتا وللعشق والغضب صوتا فلاجرم انھا تماثیلھا۔ وابدع للمبصرات والملموسات والمذوقات والمتخیلات والمتوھمات اصوات تشابہ وقعھا علی ذلک الحس۔ کیا آپ نے عالمِ آواز کے عجائبات کا مطالعہ نہیں کیا۔ جس میں ہر جاندار کی ایک مخصوص آواز ہے، اس کے تمام حالات، خوشی، خوف، بھوک، پیاس کی مخصوص آوازیں ہیں، ہر وقت کے لئے نئی آواز ہے، محبت و نفرت کے لئے الگ الگ آوازیں ہیں جنھیں ان حالات کی تمثیلی اشکال ہی کہا جا سکتا ہے اس طرح خدا نے ان تمام احساسات کیلئے بھی جو باصرہ، لامسہ، ذائقہ، تخیل اور قوتِ واہمہ سے وابستہ ہوں گوناگوں انفعالات کی مناسبت سے آوازیں پیدا کی ہیں"۔ کیا ان تفصیلات کے دیکھنے کے بعد آپ نہیں کہہ سکتے کہ میں نے جن حدود تک دعویٰ کیا تھا شاہ صاحبؒ اس سے بھی بلند پرواز کر رہے ہیں اور حق یہ ہے کہ ان علمی حقائق سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ابو النظر رضوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"کائیں کائیں" مختلف اوقات میں گوناگوں مطالب نہیں رکھتی، کیا ایک پرند کی ہر آواز سے اس کا گروہ جمع ہوجاتا ہے یا مخصوص آواز اور صوتی انداز پر ہی ہم جنس مدد کو پہنچنے لگتے ہیں۔ آج سے پہلے ممکن تھا کہ میری باتیں غیر علمی، غیر اہم اور ناقابلِ التفات قرار دی جائیں مگر آج جبکہ آواز ایک مستقل سائنس کی حیثیت پیدا کرچکی ہے۔ ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ آواز اگرچہ بنیادی حیثیت سے وحدت و یگانگت رکھتی ہے لیکن اس قدر گوناگونی کے ساتھ کہ اس کا احاطہ کرنے کے لئے بھی ایک زمانہ چاہئے حتیٰ کہ ایک ہی قسم کی آواز کے لئے بھی ایک ہی قانونِ صدا اندازی اور صدا پذیری نہیں بلکہ مختلف ہیں۔

موضوعِ بحث اجازت نہیں دیتا کہ اس پہلو پر تفصیلی[۵۱] گفتگو کی جائے۔ بہرحال ہم جن اسباب و وجوہ سے کسی چیز کو کائنات کے نام سے یاد کرتے ہیں وہ ہی اسباب و علل عالمِ برزخ میں بھی مشاہدہ کئے گئے وہاں پر بھی ایک وحدت و یگانگت تھی اور ایک تغائر و نیرنگی۔ قدرت کا قانونِ حیات ہی کچھ اس اصول پر بنایا گیا ہے کہ اتحاد و تغائر کے دونوں پہلو زندہ رہیں۔ جن حضرات[۵۲] نے اس حقیقت کو محسوس نہیں کیا وہ تنہا وحدت الوجود کے قائل ہوگئے یا تنہا وحدت الشہود کے۔

۵۱؎ مگر اس بحث سے بھی ایک ضمنی فائدہ ضرور ہوگیا۔ کراماً کاتبین لطافت و الطاف کے عوالم سے گذرتے ہوئے کون سے نقطۂ ارتقاء پر پہنچ کر لکھتے ہیں۔ اس کا تعین ہنوز ہماری عقل اور تجربی استعداد کی دسترس سے باہر رہی لیکن اس غلط فہمی کے لئے کوئی بنیاد باقی نہیں رہی کہ جو کچھ ہم کہتے سوچتے اور محسوس کرتے ہیں وہ کائناتِ حیات کی کسی لوحِ محفوظ پر ثبت نہیں ہوجاتا۔ اگر ہماری آوازیں اور حرکات کوئی استقلال اور شکل جذب کرسکتی ہے تو اس عالم سے لطیف تر عالم بھی کسی نئے انداز سے تخلیقی اور تمثیلی ارتقا کا ثبوت فراہم کرسکتا ہے۔

۵۲؎ شیخ اکبر نے جو مصری محققین کے نزدیک بھی افتادِ طبع کے لحاظ سے ایک خالص علمی اور تصوری انسان تھے وحدت الوجود کا مشاہدہ کیا اور مجدد الف ثانی ؒ نے علمی فطرت کی تکمیل پر وحدت الشہود کا۔ یہ ذوقِ طبائع کا اختلاف تھا ورنہ دونوں حقائق اپنی اپنی جگہ سچے تھے۔ ایک ذہنی حقیقت تھا اور دوسرا عملی حقیقت۔ سیر و تفریح ہو یا علمی کتابوں کا مطالعہ انسان ہر جگہ اپنی طبعی استعداد، ذہنی ساخت اور نفسیاتی رجحان کے مطابق ہی مشاہدات کرسکتا ہے۔ دوسرے پہلوؤں کی تفصیلات تلاش کرنا اس کے قابو میں نہیں ہوتا۔ دہلی کی سیر میں ایک عالم کو چند عربی مدرسے، چند علماء، چند مساجد، چند نادر کتابیں اور چند علمی ادارے ہی نظر آئیں گے۔ دوسری چیزیں نگاہ کے سامنے سے ایسی گذر جائینگی جیسے سایہ، موج اور ہوا کا جھونکا گذر جاتا ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۶ پر ملاحظہ ہو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن ہمارے مجدد علم و حکمت کی طرح جس کی نظر بھی زندگی کے بنیادی حقائق، قانون اور نظام تک پہنچ سکی، اس نے اتحاد و تغائر دونوں کا علاج کرتے ہوئے علمی اذعان کے لئے وحدت الوجود کو ایک حقیقت یقین کیا اور عملی ارتقا کے لئے وحدت الشہود کو، کوئی نظامِ حیات جس کی بنیاد وحدت الوجود پر ہو کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اسلام کے نظامِ حیات سے وحدت الوجود کو نکال دینے کے لئے مجدد الف ثانیؒ نے جو کچھ کہا وہ ان کا مذہبی فرض تھا۔ مگر جب ہم خالص ذہنی تصورات کے تحت بحث کا آغاز کر رہے ہوں تو ہمیں اس غیر عملی لیکن علمی حقیقت کا بھی اعتراف کرنا چاہئے کہ وحدت الوجود بھی ایک مستقل حقیقت ہے۔ جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سائنس کی جدید ترین تحقیقات بھی صدہا تنوعات کا مطالعہ کرنے کے بعد کائنات میں ایک عضوی اور ساختی وحدت کا اقرار کر رہی ہے۔ عمل سے اس نظریہ کو دور رکھئے لیکن علم سے قریب تر۔

برزخ کی دنیا بھی پائیدار قوانین کے سایہ میں یہ ہی اتحاد و تغائر رکھتی تھی۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ فلاسفہ اور صوفیا نے برزخ کو مستقل کائنات کہنے میں غلطی کی، خواب عالمِ برزخ کی ایک نگاہ، شعاع، موج اور ایک جھلکی سے زیادہ کچھ نہیں۔ پھر بھی آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا اسے عالمِ خواب کہنے سے نہیں ہچکچاتی۔ اپنی تمام گوناگونیوں کے ساتھ احساسات و مظاہر کی ایک دنیا جس کے پہلو میں ہو

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۵) لیکن ایک عام آدمی کو سنیما گھر، رقص ہال، نئے نئے فلم، صنف نازک کے نمونے، لباس اور بالوں کے نئے نئے ڈزائن، کرکٹ، فٹ بال کے میچ اور شب باشی کے مرکز ہی نظر آئیں گے حالانکہ دہلی میں یہ بھی تھا اور وہ بھی۔ وحدت الوجود کے خالص تصوری ہونے کی دلیل اس سے بہتر کیا ہوسکتی ہے کہ کوئی نظامِ حیات اس کی بنیادوں پر استوار نہ ہوسکا۔ ہندوؤں نے صدیوں سے اس نظریہ کو زندگی کا محور بنانا چاہا۔ مگر نہ اچھوتوں کو انسانی وقار سپرد کرسکے نہ ذات پات کے بندھن توڑ سکے، نہ مسلمانوں سے پرہیز کا مالیخولیا دور ہوا، نہ گائے باجہ پر خونریزی چھوڑی، نہ اقوامِ ہند کو سیاسی اور تمدنی مساوات تقسیم کرسکے۔ کیا وحدت الوجود کے یہ ہی نتائج ہونے چاہئیں تھے۔ بات یہ کہ خالص ذہنی تصورات عقائد کی جگہ لے کر بھی نظامِ عمل نہیں تیار کرسکتے۔ نظری عقائد سے زندگی کا ارتقاء ممکن ہی نہیں جب کبھی سیاسی حربہ کے طور پر اس سے کام لیا جائیگا اور اس بنیاد پر کسی پروگرام کی تشکیل کی جائیگی وہ کامیاب نہ ہوگا۔ ایک مجددِ ملت جو کام کرسکتا ہے ہزار کبیر اور گرونانک بھی نہیں کرسکتے۔

ابو النظر رضوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کون ہے جو اسے ٹھکرا سکے۔ مگر ان سب چیزوں کے باوجود قرآن جو علم و حکمت کی نزاکتوں سے آشنا ہوتے ہوئے عملی حقائق اور فطری احساسات ہی کو معیارِ صداقت تسلیم کرتا ہے۔ عالم برزخ کے حقائق پر کوئی ایسی روشنی ڈالتا جس سے اس کے استقلال و خلود اور وجودِ خارجی ہونے کا یقین پیدا ہو سکے بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ زندگی کے اس تغیری دور سے ہر گزرنے والا اسے وقفۂ خواب ہی محسوس کریگا اور یہانتک کہ اس کو یہ تمام مدت جو کروڑوں سال تک طویل ہو سکتی ہے چند گھنٹوں سے زیادہ محسوس نہ ہوگی۔ ایک سونے والا جاگنے والوں کے وقت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

میرا چیلنج ہے کہ کوئی شخص قرآن سے حیاتِ برزخی کی ایسی واقعیت خارجیت اور استقلال کا ثبوت فراہم نہیں کر سکتا جیسے کہ مادی کائنات کے متعلق ہم یقین رکھتے ہیں، موجودہ اور آئندہ زندگی کی آغوش میں برزخ ایک ایسا ہی عالم ہے جیسے کہ امروز و فردا کی بیداریوں کے درمیان عالم خواب، موت کے تغیری دور سے گذرنے والی ہستیاں جب بیدار ہوں گی اور ایک نئے انقلاب سے آشنا، تو برزخی زندگی کے بارے میں ان کے احساسات بالکل وہ ہی ہوں گے جن کا تجربہ روزانہ زندگی میں ہر بیداری پر ہوتا رہتا ہے۔ پہلی بات ان کی زبان سے یہ ہی نکلیگی کہ کس نے ہمیں نیند سے جگا دیا۔

کیا مستقل زندگی کا یہ تقاضا ہو سکتا ہے۔ کیا ہماری زندگی سے گزرنے والا، عالمِ قبر میں یہ ہی محسوس کرتا ہے کہ اسے نیند سے جگا دیا گیا۔ غلط اور یکسر غلط۔ سوچئے کہ یہ دورنگی اور اختلاف کیوں ہے؟ بیدار زندگی یا تو موجودہ زندگی کو کہنا چاہیئے یا اس زندگی کو جو برزخی انقلاب سے گذر کر پیدا ہوگی۔ زندگی کے ان تغیرات کے درمیان جو کچھ ہے وہ خواب کے سوا کچھ نہیں۔ مذہبی تعلیمات نے خواہ وہ ہندوستان کے صحیفہ بردار انبیاء کی طرف سے پیش کی گئی ہوں یا مصر و عرب کے مستقل ضابطۂ حیات پیش کرنے والے پیغمبروں کی جانب سے۔ قدیم تمدن کے سامنے بعد از مرگ زندگی کو خواب ہی سے تعبیر کیا ہے۔ ویدکی تعلیم بھی یہی ہے اور قرآنِ عظیم کی بھی یہ ہی۔ ہاں یونانی فلاسفہ، جوگی اور صوفیا اس کو اپنے مشاہدات کے تحت جداگانہ انداز سے پیش کرتے ہیں روحانیت پرستوں کے مشاہدات کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔ جن حقائق کا انھوں نے ہزارہا سال کی مدت میں یکسانیت اور ہم رنگی کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معائنہ کیا ہو، اُنھیں محض اضافی معنویت سے تہی دامن اور خیالی تصاویر نہیں کہنا چاہئے جو کچھ انھوں نے ہر زمانہ ہر ماحول، ہر افتادِ طبع اور مجاہدات کی گوناگونیوں کے باوجود دیکھا۔ اگر وہ بھی کوئی معنی نہیں رکھتا تو مشرق کے لئے مغرب اور مغرب کے لئے مشرق کی دنیا کا صحیح حال کیونکر معلوم کیا جاسکیگا۔ ہر سیاح کا بیان اگر نامعتبر قرار دیدیا جائے تو معلومات کے ذرائع ہی باقی نہ رہیں گے لیکن اس کا کیا علاج کہ کوئی شخص تغیری دور سے گذرے بغیر انقلابی احساسات کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ دل پر گذرنے اور تماشہ دیکھنے میں جو فرق ہے وہ ہی یہاں پر بھی سمجھ لیجئے۔ ایک زندہ آدمی، مردہ کے احساسات کیونکر پیدا کرسکتا ہے کیا دیکھا، اُسے سب جانتے ہیں۔ لیکن کیا گذری، اس سے مردہ کے سوا کوئی واقف نہیں ہوسکتا۔ صوفیاً مشاہدات بتلاتے ہیں اور قرآن احساسات کی ترجمانی کرتا ہے، زندگی بھی چند احساسات کا نام ہے اور موت بھی چند احساسات کا۔ لیکن کوئی شخص دوسرے کے احساسات کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ خدا کے لئے ہی یہ چیز ممکن تھی اور اس ہی نے ہمیں بتادیا۔

مجدد الف ثانیؒ کا وجدانی اعتقاد ہے اور درست ترین اعتقاد کہ وجود و حیات کا حقیقی ہونا، خلود و دوام کی اضافی نسبت پر موقوف ہے۔ بیداری کو حقیقت اور خواب کو وہم و خیال کیوں محسوس کیا جاتا ہے صرف اس لئے کہ بیداری میں ایک تسلسل، پائیداری اور قیام و خلود کی شان ہے اور خواب میں نہیں، لہذا وہ زندگی جو موت کے انقلاب سے پیدا ہوتی ہے دوام و ثبات اور تسلسل کے ہوتے ہوئے وجودی حقائق کے عکوس و ظلال جذب کرنے میں موجودہ زندگی سے آخر کیوں قوی تر نہ کہلائی جائیگی موجودہ زندگی برزخی زندگی کے مقابلہ پر ایک خواب ہے اور برزخی زندگی عالمِ حشر کے مقابلہ پر گویا کہ زندگی خواب در خواب کا ایک سلسلۃ الذہب ہے جو شاید اس عالمِ جذب و انجذاب[1] سے بھی بلند ہوجانے پر ختم ہوتو ہو جس کے بعد ہونے والے انقلابات کو ادا کرنے کے لئے مجددِ علم و حکمت

[1] جنت کی زندگی کا ارتقا شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک "کششوں کی دنیا" تک ہوگا۔ کیونکہ لذت احساسِ کشش ہی کا دوسرا نام ہے۔ جس تناسب و جمال سے بھی ہم کشش محسوس کرسکیں وہ ہی لذت کہلائیگی۔ اس لئے جنت کی اس زندگی کو جو سراپا لذت ہوگئی ہو، عالم جذب و انجذاب سے بہتر تعبیر نہیں مل سکتی تھی۔ ابوالنظر رضوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت شاہ صاحب کے پاس الفاظ تک نہیں۔ اگر برزخی زندگی کو خواب کہا جائے تو مجدد صاحب کی دلیل مطالبہ کرتی ہے کہ موجودہ زندگی کو بھی خواب ہی سے تعبیر کیا جائے۔ حالانکہ قرآن برزخی عذاب کی تمام تر اہمیت تسلیم کرنے پر بھی برزخ کو مستقل کائنات نہیں کہتا۔

بات یہ ہے کہ زندگی اور کائنات دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جہاں تک زندگی کا تعلق ہے قرآن مجدد صاحب کی ہم نوائی سے گریز نہیں کرتا۔ برزخی زندگی، موجودہ زندگی سے اپنے تمام احساسات کے ساتھ قوی تر ہوگی اور پُرخلود، لیکن اس کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس زندگی کے لئے کوئی ایسی کائنات پیدا کر دی گئی ہے جو تخلیقی ارتقار کا وہی مظاہرہ کرتی ہو جس کا نمونہ آپ کے سامنے ہے یا جو قیامت کے بعد نشاۃِ جدید میں نظر آئے گا۔ حیاتِ برزخ کو خلقِ جدید نہیں کہہ سکتے۔ اور جب تک شئونِ الٰہیہ تخلیقی رنگ نہ اختیار کریں۔ کائنات کی شکل نہیں پیدا کر سکتے۔ لہٰذا برزخ کو اس ہی معنی میں کائنات نہیں کہا جا سکتا جس معنی میں کہ آج ہمارے سامنے ہے مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں لینا چاہیے کہ برزخ ایک حقیقت ہی نہ رہے۔ جس زندگی کا خواب بھی سراپا حقیقت ہو اس کا دور تغیر وہم کیسے ہو سکتا ہے کیا خواب، تمدنی ماحول، ذہنی تاثرات، تحت الشعوری خیالات، نفسیاتی رجحانات، عصبی احساسات فضائی موثرات، دائرۂ تخیل، کردار اور اعمالِ بیداری کی نمائش کے سوا کچھ اور چیز ہے۔ کیا یہ نمائش غلط اور بے بنیاد ہے۔ اگر خواب کی بنیادوں کو بھی استوار کہہ سکتے ہوں تو ساری زندگی کی نمائش کرنے والے وسیع تر قوی تر اور ربط و تسلسل سے بہرہ اندوز برزخ کے بارے میں آپ کو جو کچھ اعتقاد رکھنا چاہیئے کیا اس کا سبق یاد کرانا پڑے گا۔ خواب بھی دائرہ تخیل ہی کی نمائش کرتا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نزدیک برزخ بھی۔ اس ہی لئے ان کا مطالبہ ہے کردار کے ساتھ خیالات کو بھی پاک اور روشن رکھا جائے۔ تاکہ عالم حشر ہی نہیں بلکہ برزخ بھی خوشگوار ہو سکے۔ اعمال و عقائد کے نتائج عالم حشر سے وابستہ ہیں اور اخلاق و ملکات کے برزخ سے۔

ہو سکتا ہے کہ عالمِ مثال اور عالمِ برزخ اس زندگی کی تقریباً مکمل تصویر ہو، وہاں زمین و آسمان، شبِ ماہتاب، لبِ دریا، ہوا کی گنگناہٹ، سمندر، پہاڑ، سبزہ زار، بادل، اور بارش، مکانات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر تمدنی معیار کے مطابق سامانِ آرائش لئے ہوئے۔ حتیٰ کہ بقول مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے جیسا کہ انھوں نے عالمِ مثال کے بارے میں بتایا ہے توالد و تناسل بھی پایا جاتا ہو۔ لذت والم کی نمائش کی غرض سے۔ لیکن یہ تمام خال و خط اور آب و رنگ حیاتِ بیدار کی پایندہ و تابندہ[۱] کائنات تقسیم نہیں کر سکتے۔

خواب میں کیا کچھ نہیں ہوتا پھر بھی کچھ نہیں رہتا۔ برزخ بھی خواب ہی کا بہت وسیع، روشن اور گہرے رنگ میں ڈوبا ہوا ایک نقشہ ہے۔ خواب کی بنیاد کمزور ہے، اسے مقناطیسی اور جبری خواب کی حیثیت سے طاری کیا جا سکتا ہے۔

لیکن برزخ مادی کائنات کی طرح ہماری گرفت میں نہیں آسکتی، ہم اس کا نہ ایک ذرہ کم کر سکتے ہیں نہ زیادہ بلکہ مادی مناظر میں تو ایک گونہ تغیرات بھی ممکن ہیں مگر برزخ کا ایک منظر بھی نہیں بدلا جا سکتا۔ اس کی بنیادیں ہمارے دل، ہماری روح اور ہمارے دائرہ تخیل پر استوار ہیں اور اختیار کی ہر وہ طاقت سلب کرتے ہوئے جس کے امکانات خواب میں ہو سکتے تھے۔ خیال اور عالمِ خیال کو وہم اور ایک فرضی حقیقت نہ سمجھئے وہ مادہ کی طرح ٹھوس ہوتے ہوئے مستقل طاقت اور ایک مستقل قانون رکھتا ہے۔ کاش عالمِ خیال اور قوتِ متخیلہ کے وجودِ حقیقی، قوانینِ حیات و عمل، معانی کو جسمانی اشکال سپرد کر سکنے کی صلاحیت پر ریسرچ کرنے کے مواقع ہوتے۔ تاکہ صدہا پیچیدگیوں کو سلجھایا جا سکتا۔

ہندوستان میں اسلام کی بنیاد استوار کرنے کے لئے جہاں حقائقِ اسلامی کی نئی تعبیرات کرنا ضروری ہیں ایسے ہی میرے نزدیک عالمِ خیال پر غور کرنا ہوگا۔ تناسخ، آواگون کی بھول بھلیاں، کشف و کرامات

---

[۱] مجدد علم و حکمت حضرت شاہ صاحب بھی برزخ کو فلک معنوی کا عالم کہتے ہیں فلکِ مادی کا نہیں۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ من مات فقد قامت قیامتہ سے سند لیکر برزخ کو معاملاتِ آخرت کا جزو بنا دینا چاہتے ہیں تاکہ واقعیت اور خارجیت کو زیادہ سے زیادہ جذب کیا جا سکے۔ نیت اچھی ہے۔ بات بھی سادہ معنی کے حد تک غلط نہیں مگر دلیل کمزور ہے مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس سے پورا نہیں ہو سکتا۔ حدیث شریف میں انفرادی قیامت کا بیان کیا گیا ہے اس کائناتی قیامت کا نہیں جو ہستی کی تخریب عام اور تعمیر جدید ہی کا نام ہو۔ جس کی ہولناکیوں سے قرآن لرزہ براندام کر رہا ہے اور جسے عالمِ آخرت کا آغاز کہا جا سکے۔ آخرت نشاۃ جدیدہ ہے اور انفرادی قیامت صرف ایک شخصی تغیر جسے جسمی شخصیت کا ٹنا اور باطنی شخصیت کا نمایاں ہونا بھی کہہ سکتے ہیں دستان بینہا۔ ابو النظر رضوی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلب امراض، صوفیانہ توجہ، یگیہ اور دعا کی اثر اندازیاں مستقبل کی ترجمانی وغیرہ صدہا مسائل صرف قوتِ متخیلہ کی فاعلیت اور اس کی گوناگوں تعبیرات ہی سے پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں مناظرانہ داؤ پیچ سے نہیں روحانیت کی طرف علمی اقدامات، فلسفیانہ نکتہ سنجیوں اور نفسیاتی دلائل سے ہی سمجھایا جاسکیگا جن حقائق مثالیہ نے رہبانئین کو تناسخ کے صوفیانہ مشاہدات کے مغالطہ میں مبتلا کر دیا تھا۔ مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں انھیں متعین کر دیا ہے۔

دنیا کی کوئی قوم ہندوستانیوں سے زیادہ روحانیت اور تخیُل پرست نہیں اگر ان کی غلط فہمیوں کو دور کر دیا جائے تو میں یقین رکھتا ہوں کہ دوسری اقوام سے پہلے ہندو قوم ہی اسلام کی حلقہ بگوش ہو کر رہیگی۔ خیال اور خواب کو بے معنی فرض کر لیا گیا تھا اس لئے مجدد صاحب کو بھی یہ کہنے کی ہمت نہ ہوسکی کہ برزخ کا قہقہہ اور ہیجان غم خواب ہی جیسا ہے۔ حالانکہ اگر کسی کو وحشت خواب ہی کے درمیان ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا جائے تو خواب کے کچھ بھی نہ ہونے اور عالمِ خیال کی لطافتِ تاثر، وسعتِ نظارہ، قوتِ احساس، ربط و تسلسل، پائیداری، تابناکی اور ہر جذبہ و خیال کی تصویر کشی سے کوئی بھی نسبت نہ رکھنے کے باوجود۔ کیا خواب دیکھنے والا کرب وبلا سے تڑپ نہ اٹھیگا۔ خواب سے اگر یہ کمزوری چھین لی جائے کہ وہ مادی کائنات کی طرح وسیع، روشن اور نظم و ترتیب کی آئینہ دار نہیں تو ہمارے احساسات کے لئے جو زندگی کا تمام تر سرمایہ ہیں کیا تفاوت رہ جائیگا۔

برکلے نے مادہ پرست حضرات کا زعم باطل شکست کرنے کے واسطے مبادیاتِ علمِ انسانی میں جن علمی نکات اور تجربات پر گفتگو کی ہے کیا آپ اس سے اختلاف رکھتے ہوئے بھی کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کا ہر لذت و غم احساسات ہی کا نتیجہ نہیں۔ حواسِ انسانی اگر یکسر فنا کر دیئے جائیں تو کیا زندگی، رہ سکتی ہے۔ یا وہ زندگی جس کا سراپا احساس ہی کے سانچہ میں ڈھالا گیا ہو۔ موت ہی کے نام سے یاد کی جائیگی شہداء کو قرآن کیوں زندہ کہتا ہے اس ہی لئے کہ ان کے تمام احساسات اپنی اپنی لذت سے بہرہ اندوز ہیں اور برزخ کو بھی اسلام باوجود عالم کی تمام خصوصیات ہونے کے عالمِ برزخ اس ہی وجہ سے نہیں کہتا کہ احساسِ انسانی اس کا اقرار کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ آپ انسانی عقل کی کمزوریوں سے پیدا ہونے والی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیزوں کا نام حقیقت و مجاز نہ رکھیے بلکہ یہ دیکھیے کہ احساسِ انسانی کے نقطۂ نظر سے زندگی کے کونسے پہلو کو حقیقت کہنا چاہئے اور کونسے پہلو کو مجاز. عقل، احساس و وجدان کے تابع ہے، احساس عقل کا پابند نہیں. اگر ہمارا لطیف اور روشن احساس برزخ کو خواب اور پردہ ہی محسوس کرتا ہے تو کائنات ہست و بود کی تمام گوناگونیوں کا وسیع تر، قوی تر، اور تابندہ تر نظام دیکھتے ہوئے بھی اُسے وقفۂ خواب ہی کہنا چاہئے۔

اگر ہمارا احساس درست نہ تھا تو اُن روحانیین کے احساسات کیونکر ترجمانِ وحی ہو سکتے ہیں۔ جو حیاتِ انسانی کے دائرہ اور اس کے قانون کی گرفت سے باہر نہیں جا سکتے۔ دوسرے اگر وہ احساس غلط ہوتا تو قرآن ہرگز بے بنیاد اور جھوٹے احساسات کی ترجمانی نہ کرتا حالانکہ وہ بار بار موت سے بیدار ہونے والوں کے اولین احساس کو دُہراتا اور ایک خاص تصور اس زندگی کے بارے میں پیدا کرنا چاہتا ہے. کائناتی خصوصیات کسی معنوی عالم کو خدا کے نزدیک بھی مادی کائنات کا استقلال و استواری سپرد نہیں کر سکتیں۔ خواہ مجدد صاحب جیسے صوفیا بھی اپنے ماحول کے زیر اثر محسوس نہ کر سکے ہوں۔

خیال ہو سکتا ہے کہ جب غذائی جوہر سے قائم رہنے والی روحِ حیوانی موت پر تحلیل و گم ہو جاتی ہے. جس سے حواس ظاہرہ اور باطنہ کی دنیا آباد تھی تو حسِ مشترک، تخیل، وہم کی گنجائش کہاں ہوگی؟ اور حیاتِ برزخی کا اس ہی پر مدار تھا. اس لئے مجدد علم و حکمت حضرت شاہ صاحبؒ کا وہ نظریہ بھی سن لیجئے جو حدیثِ نسمہ کی تفسیر کرتے ہوئے انھوں نے اپنی متعدد تصانیف میں بیان فرمایا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ روحِ نباتی اور حیوانی کا لطیف جزء روحِ انسانی کے ساتھ باقی رہتا ہے. انسان سے اگر حیوانیت کا ہر جزء اور ہر خصوصیت چھین لی جائے تو وہ انسان نہیں کچھ اور ہو جائے گا. زندگی کا کوئی انقلاب ہر پچھلی استعداد کو فنا نہیں کر سکتا جن استعدادات میں نئے حالات کے اندر رہنے کی صلاحیت نہیں ہوتی. قدرت ان ہی کو مٹاتی ہے ورنہ مناسب تغیرات کے ساتھ ارتقار کا موقع دیا جاتا ہے: "تلك سنة الله ولن تجد لسنة الله تبديلا" قدرت نے انسان کو ایک ہی قوت اور ایک ہی لوحِ محفوظ سپرد کی تھی جسے قوتِ متخیلہ اور قوتِ ارادیہ کہتے ہیں۔ انسانی زندگی کا ہر عمل ہر کردار، ہر تصور اور ہر جذبہ اس ہی پر منقش ہوتا اور اس ہی کے توسط سے کائناتِ حیات پر اثر انداز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے۔ اگر صرف اس جزو کو یکسر مٹا دیا جائے تو نہ زندگی انفرادی یا اجتماعی رنگ میں کامیاب ہو سکے نہ خود اس کی ہستی نیک و بد کی گواہ۔ اگر قدرت خود انسان کو اپنے کردار و عمل پر گواہ بنانا چاہتی ہے تو قوتِ متخیلہ کو زندہ رکھنا پڑے گا اور اس کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ روحِ حیوانی کے دوسرے حواس بھی موجود ہوں۔

حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ موت پر بھی قوت سامعہ، باصرہ اور ناطقہ باقی رہتی ہے۔ یہ ہی وہ نکتہ ہے جس کی غلط تعبیرات نے بزرگانِ دین و آئین کی پرستش اور استفادہ کا آغاز کیا۔ حالانکہ کسی شخص میں قوائے حیوانی کا وجود افادہ و استفادہ اور انفعال و فاعلیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ ایک کافر، ایک واپس ہو جانے والا اور ایک مردہ قرآنی تمثیلات کے مطابق تمام حواس رکھتے ہوئے بھی نہ آوازِ حق سن سکتا ہے نہ دعوتِ گفتگو اور نالۂ غم۔ مردہ کے احساسات پر ایک پردہ پڑ جاتا ہے نیند کا سا پردہ۔ جیسے اس پردہ سے بھی مشابہت دی جا سکتی ہے جو ایک دشمن، ظالم، کافر اور مشرک کے دل و دماغ پر پڑ جاتا ہے وہ بھی بہرہ اور گونگا ہوتا ہے اور یہ بھی۔ کیا ایک گہری نیند سونے والے میں حواسِ ظاہری ہی باقی نہیں رہتے یا فقط ایک پردہ پڑ جاتا ہے جو کان تک آواز کو پہنچنے سے نہ روک سکنے کے باوجود خواب آلود احساسات کو بیداری میں تبدیل نہیں ہونے دیتا۔ جب تک کوئی شخص روحِ حیوانی میں وہ ہی لطافت، تخیل میں وہ ہی گہرائی، وسعت اور ہمہ گیری پیدا نہ کر لے جو ایک مردہ میں پائی جاتی ہے اس وقت تک ریڈیو اسٹیشن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر خواب کی طرح کوئی بات، کسی شکل میں مردہ تک پہنچ بھی گئی تو آپ عمل اور نتیجہ کی دنیا میں اس سے کیا کام لے سکتے اور کس بنیاد پر اپنے پروگرام کو تبدیل کر سکتے ہیں۔

اگر مولانا اسمٰعیل شہیدؒ[1] کا یہ مکاشفہ درست بھی ہو کہ حضرت علیؓ ہی کے توسط سے ہر بادشاہت کا

---

[1] شاید کسی کو مولانائے شہیدؒ کے متعلق غلط فہمی ہو جائے اس لئے تھوڑی سی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں۔ صوفیا کے نزدیک احکامِ الٰہیہ کے نفاذ و اجرار کے لئے ایک صدر دفتر یا سکریٹریٹ ہے جسے اصطلاح میں ملاءِ اعلیٰ کہا جاتا ہے۔ صوفیا کا خیال ہے کہ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں میں ان ارواحِ طیبہ کا بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے جو پاکیزگی کے اس نقطہ تک پہنچ گئی ہوں (باقی صفحہ آئندہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قیام ہوتا ہے اور یوں ناکام حکومت کی تلافی کردی گئی تو اس سے نہ رضا شاہ کو کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے نہ ظاہر شاہ کو، نہ ابن سعود کو، نہ مغربی آمریت پسندوں کو۔ یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کا تخیلی تجربہ تو روز ہوتا رہتا ہے لیکن تحقیقی مظاہرہ کبھی نہ ہو سکا۔

مردہ کی زندگی ایک ذہنی اور تخیلی زندگی ہے اور اس ہی حد تک فائدہ اٹھا سکنے کے امکانات ہو سکتے ہیں جیسا کہ خود شاہ ولی اللہ صاحب کرتے رہے، اس سے آگے مالیخولیا مراقی کے حدود شروع ہو جاتے ہیں۔ جس سے قرآن کے عملی پروگرام کو نفرت ہے۔ وہ روحانی طاقت سے استفادہ کر سکنے کے نام پر پرستش و عبودیت کا ایک نظام گناہ مرتب کرنے کی اجازت نہیں دیتا جس کا نتیجہ ٹھوکروں اور عصبی بیماریوں کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا۔ جس قوم کی زندہ ہستیاں بھی کچھ نہیں کر سکتیں اس ہی کا دماغی اختلال مردہ پرستی پر ابھارتا ہے ورنہ کامیاب زندگی کا راز جاننے والے ایسے مراق کو گوارا بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ سے زیادہ کون پیغمبر اسلام کی روح مبارک کو حل مشکلات کے لئے دعوت دے سکتا تھا لیکن انھوں نے بھی بارش کی دعا کے واسطے حضرت عباسؓ کا توسط اختیار کیا جو زندہ تھے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ نہ تلاش کیا جو حضرت عباسؓ سے کہیں زیادہ روحانی طاقت کے مالک ہو سکتے تھے۔ بحق فلاں کہنا جائز سہی لیکن چونکہ ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہمیشہ اہم ترین غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اس لئے اگر اس "حق" اور پیدائشی حق سے کنارہ کشی ہی کر لی جائے تو بہتر ہوگا خالص توحید تک پہنچنے میں آسانی ہو جائیگی۔

اب صرف دو چیزیں ایسی باقی رہ جاتی ہیں جن پر مجھے کچھ اور بھی کہنا چاہئے۔ ایک یہ کہ عالم برزخ کہاں ہے دوسرے یہ کہ اس کی زندگی خواب سے کہاں تک مشابہ ہے اور کہاں تک نہیں۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) جو ملا اعلیٰ کی معیاری قابلیت کے لئے مقرر کر دیا گیا تھا لیکن یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ حکم کے اجرا اور التوا پر ان کی شخصی رائے کوئی اثر ڈال سکتی ہے۔ خود مولانائے شہید نے ہی بتا دیا تھا کہ جس طرح آفتاب روشنی پھینکنے پر مامور ہے اور اس تقدیر سے سر مو تجاوز نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی ملا اعلیٰ کو یقین کیجئے۔ مرکزی دفتر کے کسی شعبہ سے آپ وابستہ کیوں نہ ہوں۔ وائسرائے کے احکامات تک میں نہ یہاں تبدیلی کر سکتے ہیں نہ وہاں۔ یہ عہدہ جات اعزازی نوعیت کے ہیں اور بس۔ ابو النظر رضوی۔

© rasailojaraid.com